ایسے جہاں کے سفر کی روداد جو آج تک کسی آنکھ نے نہیں دیکھا

آخری انوکھا سفر

حافظ یوسف سراج

ایک ایسے سفر کی روداد جو عنقریب آپ کے ساتھ پیش آنے والا ہے۔

سفر ایک ایسی چیز ہے جس سے ہر شخص کا واسطہ پڑتا ہی رہتا ہے۔ کسی نہ کسی طور ہمیں کوئی نہ کوئی سفر اختیار کرنا پڑتا ہے۔ کوئی تجارتی سفروں میں مشغول ہے کوئی ملازمت کے سلسلے میں سفر کی صعوبتیں برداشت کرتا ہے۔ سفر وسیلہ ظفر ہے۔ قرآن کہتا ہے:

فسیروا فی الارض.

ترجمہ:- کہ زمین میں چلو پھرو۔

بعض لوگ محض سفر کی وجہ سے گوشہ گمنامی سے بام شہرت پہ فائز ہوگئے۔ کولمبس نے سفر اختیار کیا تو امریکہ دریافت ہوا۔ ابن بطوطہ تاریخ اسلامی کے انتہائی نامور سیاح گزرے ہیں۔ جنہوں نے اس دور میں جب سیاحت ہر کس وناکس کے بس کی بات نہ تھی قریب قریب پوری دنیا گھوم ڈالی۔ زمین کی لمبائی اور چوڑائی کے متعلق انہوں نے جو معلومات اس وقت فراہم کیں جدید تحقیقات نے اس میں کچھ خاص تفاوت نہیں پایا وہ پاکستان کے شہر ملتان میں بھی آئے۔ تلمبہ کا ذکر بھی ان کے سفر نامہ سے ملتا ہے۔ وہ مالدیپ کے لوگوں کے بارے میں بڑی دلچسپ باتیں لکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہاں کے باشندے انتہائی صلح جو ہیں۔ لڑائی کے نام سے ہی بدکتے ہیں۔ ننگے پاؤں مختلف جزیروں میں رہتے ہیں۔ ان کی معاشیات کا زیادہ تر انحصار مچھلی پر ہے۔

سفر ناموں کی ادبی حیثیت بھی مسلمہ ہے۔ ہر زبان کی طرح اردو زبان میں بھی لاتعداد سفر نامے لکھے گئے اور بعض نے ادب میں بلند مقام پایا۔ ایک زمانے میں مستنصر حسین تارڑ کے جادو اثر سفرنامے کثیر تعداد میں پڑھے جاتے تھے۔ پھر سفرنامے بھی مختلف اصناف میں بٹتے چلے گئے۔ ماہر القادری کے سفر نامے تہذیب اسلامی سے تہذیب کفار کا تقابل محسوس ہوتے ہیں۔ ابن انشاء نے بھی بیشتر سفر نامے تحریر کئے ہیں۔ جن میں دیار غیر کے رسوم رواج، تہذیب و ثقافت، ذاتی مشاہدات اور پیش آمدہ حالات کے ساتھ ساتھ طنز ومزاح بھی بکثرت موجود ہوتا ہے۔ اس قبیل کے سفر ناموں میں مقصدیت مفقود ہوتی ہے۔ جو کسی اسلام ساختہ ذہن سے نکلنے والی فکر میں پائی جاسکتی ہے۔ جہاں یورپین ممالک کے ان گنت سفر نامے منصۂ شہود پہ آئے اور اپنی رنگینیوں اور بعض رطب ویابس کی بنا پر داد وتحسین وصول کرنے کے حقدار ٹھہرے۔ وہیں ارض حجاز کی مقدس سرزمین کے زائرین نے بھی اپنی دلی کیفیات کو حوالہ قلم کیا۔ ان میں شورش کاشمیری کی ''شب جائے کہ من بودم'' بھی خاصے کی چیز ہے۔ وہ اپنے تیغ نما قلم سے حال کے دریچے سے ماضی کی گلیوں میں گھستے چلے جاتے ہیں اور عہد رفتہ کے حوالوں سے حال کے عرب کو قدرے تلخ وترش کچوکے لگاتے پائے جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک شاعر کے احساسات اور ایک مسلم کے جذبات بھی چاندنی کی روپہلی کرن کی مانند محو اجالا دکھائی دیتے ہیں۔ ''سفر حجاز'' کے نام سے علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ نے بھی ایک سفر نامہ لکھا۔ جو عشق ومستی اور جذب و کیف میں ڈوبا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اس قدرے مختصر سفر نامے میں کسی ادیب کا قلم، شاعر کے احساسات مسلم کے جذبات، سیاح کی نظر، ادبیت کی چاشنی ایک دوسرے میں یوں مدغم ملتی ہیں کہ کسی ایک کو الگ سے شمار کرنا مشکل کام ہے۔

ایک بڑا حصہ ہندوستان کے سفر ناموں پہ بھی مشتمل ہے۔ جن میں ممتاز مفتی کی ہند یاترا انتہائی دلکش اسلوب اور مناظر کشی لئے ہوئے ہے اور انہی میں سے عطاء الحق قاسمی کی دلی دور است بھی مزاح کے اعتبار سے اور ہندو تہذیب کے گھناؤنے چہرے سے پردہ کشی کے اعتبار سے اچھی کاوش ہے۔

''لندن سے غرناطہ تک'' ڈاکٹر صہیب حسن کی تصنیف کردہ وہ کتاب ہے کہ جس کو پڑھ کر قاری بھی اپنے قلب پر وہی کیفیات محسوس کرتا ہے۔ جو مصنف پہ بیتی ہیں اور کرب کی وہ بجلی

جوسقوط اندلس کے بعد مسلمانوں پہ صاعقہ بن کے برسی اسی کی ایک ادنیٰ سی جھلک اس میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اس سفرنامے کا شمار بلاشبہ ان بامقصد کتابوں میں کیا جا سکتا ہے۔ جو قاری کے دل میں اسلام سے محبت کا جذبہ ابھارنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتیں۔

سیاحت ہی کے سلسلہ میں ہر سال جامعہ سلفیہ سے بھی جولائی کے مہینہ میں دو قافلے نکلتے ہیں۔ جن کی منزل صوبہ سرحد کے شمالی علاقہ جات ہوتی ہے۔ اگرچہ ان کا مقصد وحید صرف اشاعتِ اسلام اور تبلیغ دین ہی ہوتا ہے۔ تاہم وہاں کے بہتے چشمے، رواں ندیاں، سرو قد پہاڑ اور ان پہ اپنی جڑیں جمائے بلند قامت اشجار، چہار جانب سبزے کی دل کش چادر غرض لطف وسرور کے وہ تمام مواقع وہاں قدرت مہیا کر دیتی ہے جو کوئی بھی انسان چاہ سکتا ہے۔ مگر ہمارا آج مطمح نظر وہ سفر ہے جس سے کسی کو مفر نہیں۔ جس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ وہ ہر صورت، ہر حال اپنے مقررہ وقت پہ ہمیں پیش آنے والا ہے۔ اس سے پہلے کہ ہمیں اس سے دوچار ہونا پڑے آیئے اس کے متعلق چند ضروری معلومات حاصل کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بڑے احسن اور اکمل انداز سے تخلیق فرمایا اور اس کی تخلیق کا مقصد یوں بیان فرمایا کہ ''وما خلقت الجن والانس الالیعبدون'' ہم نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا۔ انسان کچھ واقعی اسی مقصد کے لئے زندگی وقف کر دیتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ہمارے سفر نامے کے بہترین مسافر ہیں۔ کیونکہ ہمارا متذکرہ سفر مرنے کے بعد شروع ہوتا ہے اور اس کا بہترین زادِ راہ تقویٰ، نیکی اور ہمدردی ہے۔

یہ احسن صاحب ہیں ان کی زندگی حدود الٰہی میں رہتے ہوئے گزری۔ اب وقت آخر آ پہنچا ہے۔ عزیز واقارب، دوست احباب اس کی چارپائی کے گرد حلقہ بنائے بیٹھے ہیں۔ کوالیفائیڈ ڈاکٹرز کی ٹیم کی تمام تر کوششوں کے باوجود زندگی ان سے روٹھ رہی ہے۔ یہ مرض ہی ایسا ہے۔ اس کا کوئی علاج نہیں۔ یہ طاقت وروں اور ضعیفوں کو یکساں طور پر دبوچ لیتی ہے۔ اس نے کرہ ارض سے ان لوگوں کو بھی اکھاڑ پھینکا۔ جنہوں نے خدائی دعوے کیے تھے۔ اس نے ان لوگوں کو بھی اپنے نوکیلے پنجوں میں دبوچ لیا۔ جن کی ثروت کا کوئی حساب نہ تھا۔ انبیاء علیہم السلام بھی اس کے دام میں آئے بنا نہ رہ سکے۔

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
سبھی اس کی زلف کے اسیر ہوئے

لیجئے صاحب! احسن صاحب کے چہرے پہ موت کی زردی پھیل گئی۔ اعصاب مضمحل ہو گئے، جان نکل رہی ہے، جسم تڑپ رہا ہے اور اب انہوں نے آخری ہچکی لی اور ٹھنڈے پڑ گئے اور جانتے ہو یہ کونسا وقت ہے اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں جب مومن بندہ مرجاتا ہے۔ آسمان سے روشن اور چمکتے چہروں والے فرشتے زمین پہ نازل ہوتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں جنت کے بہترین نرم و نازک اور آرام دہ کفن ہوتے ہیں۔ جنت کی عمدہ ترین خوشبو ہوتی ہے۔ فرشتے آتے ہیں اور ذرا فاصلے پہ بہ احترام بیٹھ جاتے ہیں۔ اتنے فاصلے پہ کہ جہاں تک اس مرنے والے کی نظر پہنچتی ہے اور ان ملائکہ کا سردار ملک الموت آتا ہے۔ وہ اس کے سر پر بیٹھ جاتا ہے اور نہایت دل کش آواز سے اس کو کہتا ہے۔

اے پاک جان! اب تو اللہ کی مغفرت اور رضامندی کی طرف نکل۔ یہ مومن بندہ ہے۔ اس نے زندگی کو یوں گزارا جیسے اس کو محمد علیہ الصلوۃ والتسلیم نے گائیڈ کیا۔ اب اس کی جان کیسے نکلتی ہے بھلا؟ یوں جیسے مشکیزے سے پانی قطرہ بہ قطرہ بہہ پڑتا ہے۔ ملک الموت پلک جھپکتے میں نکال لیتے ہیں۔ ابھی اس کو پکڑے چند ہی ثانیے گزرتے ہیں کہ قریب بیٹھے ہوئے فرشتے اس کو لے لیتے ہیں۔ اس کی جان بھی اس ہاتھ تو کبھی اس ہاتھ منتقل ہوتی جاتی ہے۔ سب انتہائی محبت، پیار اور عقیدت کے ساتھ اس کو پکڑتے ہیں۔ یوں جیسے کوئی انتہائی پسندیدہ چیز ہاتھ آ جائے۔ تو سب اس کو پکڑ کر چھو کر دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس کو اس عمدہ کفن میں ملبوس کر دیا جاتا ہے۔ خوشبو اس پر برسائی جاتی ہے۔ یہ مردِ مومن اور مردِ حق لباس فاخرہ زیب تن کر کے خوشبوؤں میں بس جاتا ہے اور خوشبو دنیا کی بہترین خوشبو ہوتی ہے۔ اب یہ پاکیزہ روح مقدس فرشتوں کے جھرمٹ میں رفعت آسماں پر صعود کر رہی ہے۔ راستے میں فرشتوں کی دیگر جماعتیں ملتی ہیں۔ جونہی یہ قافلہ کسی بھی جماعت کے پاس سے گزرتا ہے۔ وہ سراپا سوال بن جاتے ہیں۔ دریافت کیا جاتا ہے۔ یہ کس سعید کی روح پاک ہے۔ بتلایا جاتا ہے یہ فلاں ابن فلاں ہے اور اس کا بہترین نام لیا جاتا ہے۔ جو دنیا میں اس کے لئے مستعمل تھا۔ سفر جاری رہتا ہے تا آنکہ آسمان دنیا آ جاتا ہے۔ فرشتے اس کے لئے دروازہ کھلواتے ہیں۔ فوراً آسمان کے بند دروازے وا ہو جاتے ہیں۔ اب یہاں سے تقدیس و پاکیزگی میں گندھے فرشتے اس کو اگلے آسمان تک ساتھ ساتھ لے کے چلتے ہیں۔ یہاں تک کہ ساتواں آسمان آ جاتا ہے۔ اللہ رب العزت اپنے مہمان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ارشاد ہوتا ہے۔

''میرے بندے کے اعمال علیین میں لکھ دو اور اس کو زمین میں لوٹا دو۔ کیونکہ ''منها خلقنا كم فيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة اخرى۔'' اس کو زمین

سے پیدا کیا۔ اسی میں لوٹاؤں گا اور اسے دوسری مرتبہ اٹھاؤں گا۔ اب اس کو قبر میں ڈال دیا گیا۔ جسد خاکی میں روح لوٹا دی گئی۔ دو فرشتے آتے ہیں سوال و جواب کی نشست شروع ہوتی ہے۔ دریافت کیا جاتا ہے تیرا رب کون ہے؟ بڑے اعتماد اور یقین کیساتھ جواب دیتا ہے ربی اللہ' میرا رب اللہ ہے۔ پھر پوچھا جاتا ہے۔ تیرا دین کونسا ہے؟ اسی گذشتہ خوش اسلوبی سے اس کا جواب بھی دے دیتا ہے۔ میرا دین اسلام ہے۔ پھر سوال ہوتا ہے۔ یہ کون شخص تم میں مبعوث کیا گیا۔ کہتا ہے اللہ کے رسول۔ فرشتے سوچتے ہونگے کہ بڑی تیاری کر کے آیا ہے۔ اسی لئے تو پوچھا جاتا ہے تجھے کیونکر یہ سب معلوم ہوا شائد بندہ سوچتا ہوگا۔ اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا۔ ارے بھائی میں مسلمان تھا۔ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی۔ اس پہ ایمان لایا اور میں نے اس کی تصدیق کی۔ آسمان سے آوازہ بلند ہوتا ہے۔ "صدق عبدی" میرے بندے نے سچ کہا ہے۔ اس کے لئے جنت کا بچھونا بچھاؤ۔ اسے جنت کا لباس پہناؤ۔ اس کیلئے جنت کی طرف دروازے کھول دو۔ اب اس کے پاس جنت کی خوشبوؤں سے معمور ہوا آتی ہے۔ تا حد نگاہ قبر کشادہ کر دی جاتی ہے۔ اب بندہ تنہا ہے۔ وہ کسی ساتھی کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ اب ایک خوبصورت چہرے کا حامل شخص بہترین لباس زیب تن کیے۔ خوشبو پھیلاتا آ وارد ہوتا ہے اور سہانی آواز میں کہتا ہے۔ تجھے خوشخبری ہو آج اللہ تمہیں اس چیز کے ساتھ خوش کرے گا۔ جس کا تو وعدہ کیا گیا تھا۔ بندہ خوش ہوتے ہوئے کہتا ہے تیرا بڑا بھلا سا چہرہ ہے پرتو ہے کون؟ جواب ملتا ہے۔ میں تیرا دنیا کا نیک عمل ہوں۔ سب غم مٹ چکے۔ خطرے ٹل چکے۔ سفر بخیریت انجام کو پہنچا اب بندہ بے خطر پکار اٹھتا ہے۔ "اقم الساعة' اقم الساعة" اے رب قیامت قائم کر دے۔ اے رب قیامت قائم کر دے تا کہ میں اپنے اہل اور مال کی طرف لوٹ جاؤں۔ یہ تھا وہ مسلمان بندہ جس کی زندگی اسلام کی حدود کی ٹھنڈی میٹھی چھاؤں میں قرآن وسنت کے آب زلال سے سیراب ہوتے ہوئے گزری جس کا ہم نے احسن نام بیان کیا اور دیکھا آپ نے۔ کتنا مبارک ہے اس کا یہ سفر مہمان نوازیاں۔۔۔ خوشبوئیں۔۔۔۔ بہترین لباسِ فاخرہ۔۔۔ خوش آمدید۔۔۔۔۔۔ سلام ۔۔۔۔۔۔ اور اب آیئے دیکھتے ہیں ایک کافر کیوں کران گھاٹیوں سے گزرتا ہے۔

یہاں ہم کوئی بھی نام فرض نہیں کریں گے۔ کیونکہ ہمیں کسی کا بھی انجام جہنم قطعاً پسند نہیں۔ ایک کافر بندے کا جب یہ سفر شروع ہوتا ہے۔ کالے کالے چہروں والے (خوفناک) فرشتے آسمان سے اس کی طرف آتے ہیں۔ اب ان کے پاس خوشبودار لباس فاخرہ نہیں ہیں۔ بلکہ بھدے سے ٹاٹ ہیں۔ بندے کی نگاہ جہاں تک پہنچتی ہے وہیں بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت آتا ہے۔ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتا ہے۔ نا ملائم انداز میں کہتا ہے اے خبیث جان! نکل اللہ کے عذاب کی طرف اور جان کیسے نکلتی ہے۔ جسم میں منتشر ہو جاتی ہے۔ وہ کھینچتا ہے۔ یوں جیسے کباب بھوننے کی سیخ کو گیلی روئی سے کھینچا جائے۔ وہ اس کو پکڑتا ہے اور پکڑتے ہی ناگوار انداز میں اپنے ساتھیوں کے حوالے کر دیتا ہے اور وہ پلک جھپکتے میں اسے بدنما ٹاٹوں میں لپیٹ لیتے ہیں۔ اس سے ایسی مردار قسم کی بدبو نکلتی ہے۔ جو روئے ارض کی گھٹیا ترین بدبو ہوتی ہے۔ اب اس کو لیکر آسمان کی طرف جایا جاتا ہے۔ راستے میں ملنے والے فرشتوں کی ہر جماعت بڑے ناگوار انداز میں پوچھتی ہے۔ یہ کس خبیث کی روح ہے۔ وہ اس کا دنیا کا براترین نام لیتے ہوئے کہتے ہیں۔ یہ فلاں ابن فلاں ہے۔ یہاں تک کہ آسمان آ جاتا ہے۔ اس کے لئے دروازہ کھلوایا جاتا ہے۔ مگر وہ اس بدبخت کے لئے دروازہ کھولنے پہ تیار نہیں ہوتے۔ آقائے نامدار نے یہاں یہ آیت تلاوت فرمائی:

"لاتفتح لهم ابواب السماء ولايدخلون الجنة حتى يلج الجمل في سم الخياط"

کہ ایسے لوگوں کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے اور یہ لوگ جنت میں داخل نہیں ہو سکتے۔ یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے سوراخ میں سے گزر جائے۔ ہائے کتنا مشکل استعارہ استعمال کیا ہے قرآن مجید نے کہ سوئی کے ناکے سے نہ اونٹ جیسا قوی الجثہ جانور گزرے اور نہ یہ لوگ جنت میں داخل ہوں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اس کا نامہ اعمال سجین میں لکھ دو کہ جو زمین کے نیچے واقع ہے۔ اب اس کی ناپاک روح کو آسمان کی رفعتوں سے زمین کی پستیوں میں پھینک دیا جاتا ہے۔ قرآن اس منظر کو یوں بیان کرتا ہے۔

جو اللہ کے ساتھ شرک کرے وہ آسمان سے گر پڑا۔ اس کو پرندے اچک لیتے ہیں یا ہوا اس کو دور کسی جگہ پھینک دیتی ہے۔ اس کے جسم میں روح لوٹائی جاتی ہے۔ دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں۔ اسے بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ یہ کون شخص جو تم میں بھیجا گیا ہے؟ تمام سوالوں کے جواب میں وحشت زدہ ہو کے پکارتا رہتا ہے۔ "ھا ھا لا ادری" ہائے افسوس مجھے کچھ پتہ نہیں۔ مجھے کچھ پتہ نہیں۔ آسمان سے پکارنے والا پکارتا ہے۔ "کذب" جھوٹا ہے یہ بدبخت سبحان اللہ اللہ نے یہاں عبدی کا لفظ نہیں بولا کافر اس کو نہ ماننے والے جو بدترین جانور ہیں۔ وہ بھلا اللہ کے